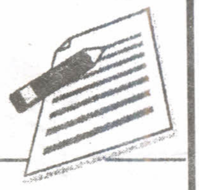

نوٹ

18

مرزا غالبؔ

شاعر کا تعارف

مرزا غالبؔ 1797ء میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی پرورش ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے کی۔ وہ جاگیردار تھے اور فوج میں رسالدار تھے۔ نو برس کی عمر میں چچا کا بھی انتقال ہو گیا تو انگریزی حکومت نے جاگیر کے بدلے کچھ پینشن مقرر کر دی اور غالب اپنے ننہال میں رہنے لگے۔ تیرہ سال کی عمر میں دہلی کے نواب الٰہی بخش معروفؔ کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ان کی شادی ہو گئی۔ اس کے بعد غالبؔ دہلی میں رہنے لگے۔ 15 رفروری 1869ء کو غالبؔ کا انتقال ہو گیا۔

شعر و شاعری کا شوق غالب کو بچپن سے تھا۔ شروع میں اسدؔ تخلص کرتے تھے، بعد میں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ غالبؔ جس زمانے میں آگرے سے دہلی آئے اس وقت دہلی میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ غالبؔ بہت جلد مشہور ہو گئے۔ وہ اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے اردو کے مقابلے میں ان کا فارسی کلام بہت زیادہ ہے۔ مگر انہیں شہرت اپنے اردو کلام ہی کی وجہ سے ملی۔ غالبؔ کو عام راستے سے الگ ہٹ کر نئی راہ پر چلنے کا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے وہ کافی مشکل زبان استعمال کرتے تھے لیکن کچھ دوستوں کے مشورے اور اصرار پر بعد میں وہ آسان زبان استعمال کرنے لگے۔

غالبؔ بڑے خوددار انسان تھے۔ انہیں اپنی عزت نفس کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ فطرتاً ذہین اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ ذہانت اور شوخی کی یہ صفات ان کے کلام میں نمایاں ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

غالبؔ نے انسانی فطرت کا بہت غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا اور اکثر ان واقعات اور حالات کو بیان کیا جو لوگوں کو عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں جتنے شعر ضرب المثل ہو گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ شعر غالبؔ کے ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نوٹ

غالبؔ نے اپنے کلام میں فلسفیانہ مضامین بیان کیے ہیں۔ اسی لیے اکثر انہیں فلسفی شاعر بھی کہا جاتا ہے فکر کی بلندی اور الفاظ کے معنی خیز استعمال کی بدولت ان کی ایک امتیازی شان ہے۔ غالبؔ نے اردو غزل کو خیالات کی تازگی اور موضوعات کی رنگارنگی سے وہ وقار بخشا جس کے سبب اردو دنیا ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔

مقاصد

اس غزل کو پڑھنے کے بعد آپ:

- غزل کے اشعار کی تشریح کر سکیں گے؛
- نئے الفاظ، نئی ترکیبیں اور نئی کہاوتیں سمجھ کر انہیں استعمال کر سکیں گے؛
- غالبؔ کے انداز بیان اور خصوصیات کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں گے۔

18.1 اصل سبق

آیئے اب غزل پڑھیں:

غزل

یہ نہ تھی ہماری قسمت کے وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

یہ مسائل تصوف، یہ تیرا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

وصال: ملاقات
وصال یار: دوست سے ملاقات
نیم: آدھا
کش: کھنچا ہوا
نیم کش: آدھا کھنچا ہوا
خلش: چبھن
جگر: مراد دل
مسائل: مسئلہ کی جمع
تصوف:
بادہ خوار:

نوٹ

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

18.2 متن کی تشریح

غزل کے مطلع میں غالب کہتے ہیں کہ دوست سے ملنا ہماری تقدیر ہی میں نہیں تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ میں مر گیا ورنہ جتنے دن بھی اور زندہ رہتا محبوب سے ملنے کے انتظار میں ہی گذر جاتے۔ وصال یار کبھی نہ ہوتا۔

18.3 زبان کے بارے میں

شاعر نے اگر اور ''جیتے رہتے'' کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اب وہ زندہ نہیں ہے۔

- کسی بات کو براہ راست نہ کہہ کر اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا 'کنایہ' کہلاتا ہے۔ مثلاً ہم کسی سے کہیں ''مجھے تم سے اس بات کی امید نہیں تھی۔'' اس جملے میں ہم نے اپنے دوست کی کسی خامی کو براہ راست نہ بتا کر اشارۃً اسے اس کی کمی کا احساس دلایا۔
- لفظ ''وصال'' وصل سے بنا ہے۔ اس کے معنی ''ملاقات'' کے ہیں۔ یہ لفظ اکثر انتقال کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ مرنے کے بعد خدا سے ملاقات ہوگی۔ عورت اور مرد کے باہمی میل ملاپ کو بھی وصل اور وصال کہتے ہیں۔
- لفظ ''یار'' سے مراد محبوب یا دوست کے ہیں۔

تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

18.4 متن کی تشریح

محبوب نے شاعر سے ملاقات کا وعدہ تو کر لیا لیکن شاعر خوب جانتا ہے کہ محبوب اپنا وعدہ کبھی پورا نہیں کرے گا۔ اس لیے شاعر محبوب کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اگر آج تم مجھے زندہ دیکھ رہے ہو تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میں نے تمہارے وعدے کو سچ نہیں سمجھا تھا کیونکہ اگر مجھے تمہارے وعدے کی سچائی کا یقین ہو جاتا تو میں اس خوشی کی وجہ سے ہی مر گیا ہوتا۔

'خوشی سے مر جانا'' محاورہ ہے۔ بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے موت ہو جانے کو 'شادیٔ مرگ' بھی کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خلاف امید کوئی بہت بڑی خوشی کی خبر سن کر بھی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

نوٹ

متن پر سوالات 18.1

درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1. ''اگر اور جیتے رہتے'' کیا ہے؟

(الف) استعارہ
(ب) کنایہ
(ج) تمثیل
(د) تشبیہ

2. اس شعر میں شاعر کو کس چیز کی شکایت ہے؟

(الف) محبوبہ کی بے وفائی کی
(ب) زمانے کی
(ج) اپنی بدنصیبی کی
(د) اپنی بے وقت موت کی

3. شاعر کو اپنے محبوب کے وعدے پر اعتبار کیوں نہیں ہے؟

(الف) شاعر کا محبوب جھوٹا ہے
(ب) جھوٹ بولنا محبوب کی ایک ادا ہے
(ج) شاعر نے محبوب سے خود بھی جھوٹ بولا ہے
(د) شاعر محبوب کے سچ کو بھی جھوٹ سمجھتا ہے

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا

18.5 متن کی تشریح

شاعر کہتا ہے کہ تیری نگاہوں کا تیر جو میرے دل میں چبھ کر رہ گیا ہے، اس سے میرے دل میں جو ٹیسیں اٹھ رہی ہیں اور اس میں مجھے ایک عجیب لذت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس کی لذت کا حال کچھ میرا دل ہی جانتا ہے۔ اگر تیرا تیر میرے دل کے آر پار ہو جاتا تو یہ لطف اور یہ لذت کہاں سے حاصل ہوتی۔

18.6 زبان کے بارے میں

- تیرِ نیم کش سے مراد وہ تیر ہے جس کو آدھی کمان کھینچ کر آہستہ سے چھوڑ دیا جائے۔ یعنی نظروں کا وہ تیر جسے ابرو کی کمان سے یا نیچی نظروں سے چھوڑا گیا ہو یہ تیر دل کے آر پار نہیں ہوا بلکہ دل میں چبھ کے رہ گیا ہے اور خلش سی پیدا کر رہا ہے۔

کمان خم لیے ہوئے ہوتی ہے اور ابرو بھی کمان کی طرح خم دار ہوتے ہیں۔ کمان سے تیر چھوڑا جاتا ہے اور ابرو سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے غالبؔ کا ''تیر نیم کش'' کہنا بہت خوب ہے۔

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

18.7 متن کی تشریح

شاعر کہتا ہے کہ میں کیا بتاؤں کہ شب غم یعنی دکھ بھری رات کیا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ ایک آفت ہے۔ اس میں انسان بار بار موت کی تکلیف اٹھاتا ہے اور پھر بھی اسے موت نہیں آتی۔ ایک بار مر کر انسان کو رنج و غم سے نجات مل جاتی ہے مگر شب غم میں تو ہر لحمہ موت کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے اور ہر لحمہ مر مر کر گذارتا ہے۔

18.8 زبان کے بارے میں

''مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا'' دوسرے مصرعے میں شاعر نے یہ بات کہی ہے کہ ایک بار مرنا میرے لئے زیادہ تکلیف کا باعث نہیں تھا۔

متن پر سوالات 18.2

درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1. شاعر بار بار مر کر بھی زندہ رہتا ہے کیونکہ
   (الف) اس نے آب حیات پی رکھا ہے
   (ب) محبوب کی محبت اسے مرنے نہیں دیتی
   (ج) شاعر محاورۃً مرتا ہے۔ واقعی نہیں مرتا

2. 'کنایہ' کے معنی ہیں
   (الف) ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینا

(ب) کسی بات کو براہ راست نہ کہہ کر اشاروں میں کہنا

(ج) کسی بات کو اس طرح کہنا کہ فوراً سمجھ میں نہ آئے

(د) کسی بات کو استعارے میں کہنا

.5

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

18.9 متن کی تشریح

غزل کے مقطع میں غالبؔ خود سے محاطب ہیں۔ وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ اے غالبؔ! تو نے تصوف کے مشکل مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے اگر تجھے شراب پینے کی بری عادت نہ ہوتی تو میں تجھے ولی یعنی خدا کا مقرب بندہ یا پہنچا ہوا بزرگ مان لیتا۔

18.10 زبان کے بارے میں

شعر میں اپنی تعریف خود کرنے کو 'تعلی' کہتے ہیں۔

اس شعر میں غالبؔ نے خواپنی تعریف کی ہے۔ اسی طرح غالبؔ کا ایک اور شعر ہے جس میں تعلی پائی جاتی ہے ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

تعلیٰ کے اشعار دوسرے شعراء کے یہاں بھی ملتے ہیں مثلاً میر تقی میرؔ نے کہا ہے ؎

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

شاعر شعر میں اپنے آپ کو مخاطب کر کے کوئی بات کہتا ہے تو اسے 'خود کلامی' کہتے ہیں۔ اس شعر میں 'تجھے' اور 'تیرا' غالبؔ نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ اور 'ہم' غالبؔ نے اپنے لئے ہی استعمال کیا ہے۔

دنیا سے بے نیاز ہو کر اللہ سے لو لگانے کو صوفی کہتے اور صوفیانہ خیالات کو تصوف کہتے ہیں۔

نوٹ

متن پر سوالات 18.3

درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1. غالبؔ خود کو ولی سمجھتے ہیں کیونکہ

(الف) انہوں نے تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں۔

(ب) وہ ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔

(ج) اس شعر میں شراب کا ذکر ہے۔

2. بتائیے کس شعر میں تعلی ہے۔

(الف) ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

(ب) دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

(ج) جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

18.11 انداز بیان

غالبؔ کا انداز بیان خوب صورت اور دل پر اثر کرنے والا ہے۔ خود غالبؔ نے مقطع میں انداز بیان کو اپنی شاعری کی اہم خوبی قرار دیا۔ استعارہ، کنایہ کے استعمال نے ان کے اشعار کو بہت خوب صورت بنا دیا ہے۔

اس غزل میں آسان اور سادہ الفاظ کے استعمال اور ان کی خوب صورت ترتیب نے غزل کو مترنم بنا دیا ہے۔

غالبؔ کی غزلیں عام طور پر موسیقیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں گایا جاتا ہے۔

آپ نے کیا سیکھا

1. کسی بات کو براہ راست نہ کہہ کر اس طرح کہنا کہ ذہن فوراً اصل معنی کی طرف پہنچے 'کنایہ' کہلاتا ہے۔

2. کلام میں 'کنایہ' کا استعمال شاعری کے حسن کو نکھارتا ہے۔

3. کلام میں اپنی تعریف بیان کرنے کو 'تعلی' کہتے ہیں۔

4. خود کو پہچان کر خدا تک پہنچنا صوفیوں کا مسلک ہے۔

5. غالبؔ کا انداز بیان خوب صورت اور دل پر اثر کرنے والا ہے۔

6. غالبؔ کی غزلیں موسیقیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔

18.12 مزید مطالعہ

1. اس غزل کا آڈیو کیسٹ تلاش کیجیے اور سنیئے۔
2. غالبؔ کا دیوان پڑھیئے اور جو غزلیں پسند آئیں انہیں کاپی میں لکھیے۔
3. ایسے اشعار تلاش کیجیے اور انہیں کاپی پر لکھیے جن میں تعلّی ہو۔

18.16 اختتامی مشق

1. ہر شعر کا مطلب الفاظ میں بیان کیجیے۔
2. 'کنایہ' کن اشعار میں ہے، ان اشعار کی نشان دہی کرتے ہوئے 'کنایہ' کی وضاحت کیجیے۔
3. غالبؔ کی شعری خصوصیات بتاتے ہوئے ان کے انداز بیان کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔

متن پر سوالات کے جوابات

18.1 (1) ب
(2) الف
(3) ج

18.2 (1) ب
(2) ج
(3) ج

18.3 (1) ج
(2) ب
(3) الف